شیخ محمد عبدہ اور شیخ الاسلام کا مکالمہ

علمائے دین اور عہد حاضر کے تقاضے

مسلم دنیا میں تحریک آزادی کے رہنما جمال الدین افغانی کے ساتھی اور دنیائے اسلام کے معروف عالم شیخ محمد عبدہ اور مرحوم خلافت عثمانیہ کے شیخ الاسلام مولانا جمال الدین آفندی کے مابین مندرجہ ذیل گفتگو اس وقت ہوئی جب خلیفہ عبدالمجید سے ملاقات کے لیے مفتی محمد عبدہ استانبول تشریف لے گئے تھے۔ اخبار "المؤید" کا نمائندہ اس گفتگو کے دوران موجود تھا۔ اس نے اپنی اشاعت مورخہ ۲۳۔ جون سنہ ۱۹۰۱ء میں یہ مکالمہ من و عن نقل کر دیا' جہاں سے علامہ رشید رضا نے اپنے جلیل القدر استاد (شیخ محمد عبدہ) کی سوانح عمری تاریخ الاستاذ امام الشیخ محمد عبدہ' (قاہرہ' ۱۹۳۱ء' ج ۱' ص ۸۵۲) میں ایک اقتباس دیا ہے۔ اس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔ (ادارہ)

شیخ الاسلام: اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر قوم کی زندگی کا فیصلہ اس امر پر ہوتا ہے کہ وہ قوم اپنے زمانہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کس حد تک صلاحیت اپنے اندر رکھتی ہے۔ جو قوم زمانہ کا ساتھ نہیں دیتی زمانہ خود اس پر غالب آجاتا ہے۔ تاہم ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ حالات تبدیل ہو جائیں گے اور مسلمان جو کچھ کھو چکے ہیں اس پر متنبہ ہوں گے اور اسے دوبارہ حاصل کر لیں گے۔ لیکن یہ سب اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب علما اور حاملین شریعت ہمت و جرات سے کام لیں۔

مفتی محمد عبدہ: بے شک! یہ سب کچھ علما کی اپنی ہمت کے بغیر نہیں ہو سکے گا۔ لیکن بڑی دشواری یہ ہے کہ ہمارے علمائے کرام نے عوام کے حالات کی طرف سے مکمل غفلت اختیار کر

رکھی ہے۔ موجودہ زمانے میں جو باتیں ذرا بھی اہمیت رکھتی ہیں' انھیں ہمارے علمانے یا تو حکام کے حوالے کر دیا ہے یا خود عوام پر چھوڑ دیا ہے۔ عوام و خواص کو وعظ و نصیحت کرنا اور عملی طور پر ایسے امور میں مشغول ہونا جو قوم کو نشاۃ ثانیہ کے لیے تیار کر سکیں' ان کے نزدیک ایک بیکار سا کام ہے۔ چنانچہ بجز چند قصہ گو واعظوں یا مساجد کے اماموں اور مدرسوں کے استادوں کے جنھیں نہ علم دین کی کچھ خبر ہے اور نہ عوام کے حالات سے کوئی واقفیت ہے اور جو اصلاح کے بجائے فساد ڈالنے کا کام زیادہ انجام دیتے ہیں' حقیقی علما کا عوام کے ساتھ کوئی رابطہ قائم نہیں رہا۔

شیخ الاسلام: بلاشبہ جو لوگ دینی علوم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ان میں سے زیادہ تر ایسے ہیں جنھیں عوام کے حالات کا بہت ہی کم علم ہے۔ اور اپنے عہد کے رجحانات اور تقاضوں سے تو انھیں کچھ بھی واقفیت نہیں۔ اگر وہ زمانہ اور اہل زمانہ کے حالات سے واقفیت رکھتے ہوتے تو ان کے لیے نہ صرف یہ کہ شریعت کی حمایت ممکن ہو سکتی تھی۔ بلکہ وہ اس کے ساتھ ہی اپنی ملت کی شان کو بھی دوبالا کر سکتے تھے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک عالم کہلانے کا مستحق نہیں جب تک وہ اس کے ساتھ ہی عارف بھی نہ ہو۔ عارف ایسے عالم کو کہا جاتا ہے جو شریعت اور ان امور کے درمیان جو ہر زمانہ میں اس کے تقاضوں کے مطابق لوگوں کو فائدہ پہنچا سکیں' صحیح تطبیق دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ لیکن جو شخص علوم دینیہ میں تو بڑی دسترس رکھتا ہو۔ لیکن اپنے عہد کے لوگوں کے حالات سے ناآشنا ہو اور اپنے عہد کے رجحانات اور تقاضوں پر غور و فکر کرنے کا نااہل ہو تو اسے عالم نہیں کہا جا سکتا۔ اسے البتہ "متفنن" کہہ سکتے ہیں یعنی وہ شخص جو فن نحو' فن فقہ اور دوسرے فنون کا علم رکھتا ہے۔ درحقیقت عالم وہی شخص کہلانے کا مستحق ہے جس کے علم کے اثرات خود اس کی قوم میں نمایاں ہو سکیں۔ اثرات اس وقت تک نمایاں نہیں ہو سکتے جب تک کسی عالم کو عوام کے حالات کا علم اور ان کے ضروریات و احتیاجات کا صحیح ادراک حاصل نہ ہو۔

مفتی محمد عبدہ: جو کچھ جناب نے ارشاد فرمایا بعینہ یہی کچھ ہمارے قرون اولیٰ کے علمائے دین میں بھی متعارف تھا۔ چنانچہ فقہائے مالکیہ کی اکثر کتابوں میں عالم کی تعریف ہی یوں کی گئی

ہے۔ "العاکف علی شانہ البصیر باھل زمانہ" (اپنی حالت کا ہمیشہ نگران اور اپنے عہد کے حالات سے باخبر)۔ عالم کی یہ تعریف علم کی غایت کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے۔ اپنی حالت کا ہمیشہ نگران رہنے سے یہ مراد ہے کہ عالم کبھی اپنے وقت کو ضائع نہیں کرتا۔ وہ ایسے کاموں میں مشغول رہتا ہے جو خود اس کے لیے اور عوام کے لیے نفع رساں ہوں۔ عالم کی شان یہی ہے جس پر اسے جم کر رہنا چاہیے۔ اس کے بعد اس کا ایک دوسرا وصف یوں بیان کیا گیا ہے کہ اسے اپنے زمانے کے لوگوں کی بصیرت ہو۔ کیونکہ اہل زمانہ کی بصیرت خود علم کی غایت میں داخل ہے۔ اس لیے کہ یہی وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعے ہر زمانے کے لوگوں میں عمل کی قوت بیدار کی جاسکتی ہے۔ گویا جس شخص نے علم کی یہ تعریف کی ہے وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ جو شخص اپنے عہد کی تعبیر میں کوتاہی کرتا ہے یعنی اپنے علم کو اس محل میں استعمال نہیں کرتا جہاں اسے استعمال کرنا چاہیے تھا۔ یا اپنے عہد کے حالات سے ناواقفیت کی بنا پر اسے غلط استعمال کرتا ہے تو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو منہ میں آئے بولتا رہتا ہو۔ اور اس کی قطعاً پرواہ نہیں کرتا ہو کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ وہ بالکل نہیں سمجھتا کہ اس کی یہ باتیں خود اس کے منہ کا طمانچہ بن جائیں گی اور اس کی شرمندگی کا باعث ہو جائیں گی۔ جو آدمی ایسا ہو، ظاہر ہے کہ اسے عالم نہیں کہا جاسکتا اور اس پر عالم کی یہ تعریف منطبق ہی نہیں ہو سکتی یا زیادہ سے زیادہ جو بات ممکن ہو سکتی ہے وہ یہی ہے کہ اگر اسے علم کی کوئی بات معلوم ہے تو اسے اس بات کا حافظ کہہ دیا جائے اور بس۔

شیخ الاسلام: جی ہاں! یہ بات انتہائی افسوس ناک ہے کہ مسلمانوں کے علما زیادہ تر سطحی علم رکھتے ہیں جس کی بنا پر انھیں "متفنن" تو کہا جاسکتا ہے مگر ان پر عالم کے نام کا اطلاق کرنا صحیح نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیچاری شریعت کتابوں میں مدفون ہو کر رہ گئی ہے۔ اور مسلمان اسلامی علوم کے آداب سے استفادہ کرنے سے بالکل ہی محروم ہو چکے ہیں۔ (اس کے بعد شیخ الاسلام نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔) شاید ہمارے حاملین شریعت عوام کے حالات سے اس لیے دور اور کنارہ کش رہنا چاہتے ہیں کہ وہ صرف اپنی ہی خدمت کرنا جانتے ہیں عوام کی خدمت کرنا نہیں جانتے۔

مفتی محمد عبدہ: کیا جناب اسے اپنی خدمت کرنا شمار فرماتے ہیں؟ حالانکہ جناب پر مخفی نہیں

کہ ہمارے علمائے کرام کس ذلت و کسمپرسی میں مبتلا ہیں۔ ان کے بلند مرتبہ افراد بھی ان حقوق سے محروم ہیں جو دوسرے کم مرتبہ لوگوں کو حاصل ہیں۔ دنیا ان کی صورتوں سے بھاگتی ہے حالانکہ وہ دنیا کی طلب میں سب سے زیادہ مشقتیں برداشت کرتے ہیں۔ دنیا ان سے بغض و عناد رکھتی ہے حالانکہ وہ دنیا کی محبت میں سب سے زیادہ حریص ہیں' اگر ان میں سے کوئی شخص کسی چیز پر قانع بھی ہو جاتا ہے تو یہ قناعت ایک باعزت شخص کی قناعت نہیں ہوتی بلکہ ایک ایسے شخص کا ٹھہراؤ ہوتا ہے جو تھک کر عاجز ہو چکا ہو۔ ہمارے اسلاف نے علماء کی جو تعریف کی تھی اس کے معیار پر اگر یہ پورے اترتے' تو کیا یہ حضرات آج کی نسبت کہیں زیادہ معزز اور مکرم نہ ہوتے اور ان کا مرتبہ آج کی نسبت بلند اور بالا نہ ہوتا؟

شیخ الاسلام: آپ نے سچ فرمایا۔ جو شخص اپنی خدمت کرنا چاہتا ہو اس پر بھی واجب ہے کہ وہ عوام کی خدمت بجالائے۔ خصوصی (انفرادی) مصلحتیں ہمیشہ عمومی (قومی) مصالح کے تحت ہی حاصل ہوا کرتی ہیں جب عمومی مصلحت ضائع ہو جائے تو خصوصی مصلحت خود بخود ضائع ہو جاتی ہے۔ جب قومی مصلحت محفوظ ہو تب ہی انفرادی مصلحت بھی محفوظ رہ سکتی ہے۔

مفتی محمد عبدہ: بجا ارشاد فرمایا۔ یہی حقیقی اصول ہے۔ لیکن کتب فقہ کے مدرسین اپنے طالب علموں کے ذہن میں یہ اصول جمانے کی قطعاً" فکر نہیں کرتے۔ دراصل یہ وہی لوگ ہیں جنھیں جناب نے "متفقہ" کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔ اس اصول کو انہوں نے اپنے اسباق میں کبھی پڑھا ہی نہیں۔ شاید موجودہ بھول چوک میں ان کا عذر بھی یہی ہو کہ انہوں نے یہ اصول کبھی سنا نہیں۔

(بہ شکریہ' فکر و نظر' دسمبر ۱۹۶۳ء)